OPEN ACCESS: "*EPISTEMOLOGY*"
eISSN: 2663-5828;pISSN: 2519-6480
Vol.9 Issue 10December 2021

وحی محمدی ﷺ کی استشراقی تعبیرات- تنقیدی وتجزیاتی مطالعہ

A CRTICAL STUDY OF THE ORIENTALISTS' VIEWS REGARDING MUHAMMADEN REVELATION

Dr. Sabahat Afzal
Assistant Professor,Institute of Islamic Studies, University of the Punjab, Lahore.

Abstract: The concept of revelation is found in all the Semitic religions. The divine knowledge, it is believed, was revealed to the prophets through revelation. However, the status of Quran as a revealed book has been disputed among the orientalists who have propounded different views regarding revelation as proclaimedby the Prophet of Islam(S.A.W.). Some of the orientalists consider it the creative work of Hazrat Muhammad (S.A.W.) as they try to prove him a learned man. It has also been explained as the voice of Prophet's (S.A.W.) unconscious mind, or his dreams. Those orientalists who believe it to be a real spiritual experience, interpret it as a private spiritual experience only which according to them cannot be considered a prophetic experience of revelation. In this article, an attempt has been made to analyse all such orientalists' theories regarding revelation in the light of Quran, Hadith and authentic seerah traditions.

Key Words: Hazrat Muhammad (S.A.W.), Revelation, Orientalism, Material Historicism, Seerat-un-Nabi (S.A.W.).

انسانوں کی ہدایت ورہنمائی کے لئے اللہ کی طرف سے نزول رشد وہدایت کا سلسلہ حضرت آدمؑ سے شروع ہوا اور آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی تک پہنچ کر اختتام پذیر ہوا۔اللہ کی طرف اپنے انبیاء ورسل کو جو پیغام دیا جاتا ہے وہ وحی کہلاتا ہے۔اگرچہ وحی کی حاملیت کا اعزاز تمام انبیاء کے لئے عام ہے اور حضرت محمد ﷺ کو اس حوالے سے اختصاص حاصل نہیں ہے (سوائے اس کے کہ آپؐ کے بعد اب کسی پر وحی نازل نہیں ہوگی)، تاہم یہ عجیب امر ہے کہ وحی کے حوالے سے جن شکوک واعتراضات کا اظہار آپ ﷺ کی ذات گرامی کے بارے میں کیا گیا ہے وہ مستشرقین نے کسی اور پیغمبر کے بارے میں نہیں کیا۔وحی کی مادی تعبیر کرتے ہوئے اس کو رسول اللہ ﷺ کا لاشعوری واہمہ، اس کے نزول کی کیفیات کو صرع، روحانی وارداتوں کو ذہنی مغالطہ قرار دیا جاتا ہے۔اس طرح کے اعتراضات کا مقصد مسلمانوں کو وحی الٰہی کی حقیقت اور اس کی اصلیت کے بارے میں شکوک وشبہات میں مبتلا کرنا ہے تاکہ وحی سے حاصل شدہ تمام احکام و قوانین مشکوک ٹھہریں۔ذیلی صفحات میں وحی محمدی ﷺ کے حوالے سے کی گئی مادی تعبیرات کا تنقیدی جائزہ لیا جائے گا۔

وحی کا معنی ومفہوم

وحی کا مادہ وح ی ہے۔وحی کے لغوی معنی ہیں لطیف اور مخفی اشارہ، پیغام (رسالت)، دل میں ڈالنا (الہام)، چھپا کر بات کرنا (کلام مخفی)، کتابت (لکھنا)، کتاب اور مکتوب، نیز جو کچھ تم کسی دوسرے کے خیال میں ڈالو۔اہل لغت کے نزدیک وحی کے اصلی معنی یہ ہیں کہ کسی سے اس طرح چپکے چپکے باتیں کی جائیں کہ کوئی دوسرا اسن نہ پائے۔ فعل کی صورت میں اَوْ حیٰ، یُوْحِی (اِلٰی) استعمال ہوتا ہے اور اس کا مفہوم القایا الہام کرنا اور دل میں بات ڈالنا ہے۔[1]

قرآن میں لفظ "وحی" کا استعمال

قرآن مجید میں مذکورہ مختلف معانی میں "اوْحیٰ" اور "یُوحی" کا استعمال عام ہے۔مثلاً،

وَأَوْحَيْنَا إِلَى أُمِّ مُوسَى أَنْ أَرْضِعِيْهِ[2]

اور ہم نے موسیٰؑ کی ماں کے دل میں یہ بات ڈالی کہ اسے دودھ پلاؤ۔

وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّيْنَ أَنْ آمِنُواْ بِيْ وَبِرَسُولِيْ[3]

اور وہ وقت قابل ذکر ہے جب میں نے (عیسیٰؑ کے) حواریوں کو ذریعۂ الہام (حکم دیا) کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ۔

وَإِنَّ الشَّيَاطِيْنَ لَيُوحُونَ إِلَى أَوْلِيَآءِهِمْلِيُجَادِلُوكُمْ[4]

اور بیشک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں چپکے چپکے (شک واعتراض کی) باتیں ڈالتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں۔

وَأَوْحَى رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتاً وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ [5]

آپؐ کے رب نے شہد کی مکھی کو القا کیا کہ تو گھر بنا پہاڑوں میں، درختوں میں اور انگور کی بیلوں میں۔

وَأَوْحَى فِيْ كُلِّ سَمَاء أَمْرَهَا[6]

اور اللہ نے ہر آسمان (کی مخلوق) کو اس کے حکم بھیج دیئے۔

يَوْمئذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا۔ بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَى لَهَا[7]

اس دن زمین اپنی خبریں بیان کر گزرے گی؛ یہ اس لئے کہ آپؐ کے رب نے اسے یہی حکم دیا ہے۔

قرآن مجید کے مذکورہ بالا مقامات میں وحی کے مفہوم میں مخفی تلقین، فطری تعلیم، لطیف اور خفیہ اشارے، فطری حکم، دل میں بات ڈالنا اور وسوسہ پیدا کرنا سب شامل ہیں۔ جب لفظ وحی ذی روح کے لئے استعمال ہو تو اس کے ساتھ 'الی' بطور صلہ لایا جاتا ہے اور غیر ذی روح کے لئے استعمال ہو تو 'فی' اور 'ل' جیسا کہ اوپر کی آیات سے ظاہر ہوتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو ایسے مخفی اور لطیف طریقوں سے تعلیم دیتا ہے کہ معلم بظاہر نظر نہیں آتا، اسی لئے اسے وحی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اسلامی اصطلاح میں وحی بالخصوص اس ذریعہ ءغیبی کا نام ہے جس کے سبب اللہ تعالیٰ کے خاص لطف و کرم اور فضل وعنایت سے کسی نبی کو کوئی علم حاصل ہوتا ہے۔ اس حصول علم میں کسی نبی یا رسول کے اپنے غور وفکر، کوشش وسعی اور جدوجہد کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ وحیٔ نبوت اپنی خصوصیات کے لحاظ سے دوسری تمام اقسام وحی سے مختلف ہوتی ہے اور نبی کو پورا یقین اور شعور ہوتا ہے کہ وحی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ یہ وحی علم وہدایت پر مشتمل ہوتی ہے؛ اس میں قصص و اخبار، عقائد وعبادات اور احکام و قوانین سب شامل ہوتے ہیں اور اس کا مقصد نبی کے ذریعے بنی نوع انسان کی ہدایت و رہنمائی ہوتا ہے۔

وحی رسول اللہ ﷺ کا تخصص نہیں بلکہ وحی وہ امر ہے جو تمام انبیاء کے لئے عام ہے اور وحی ہی انہیں عام انسانوں سے ممیز کرتی ہے۔ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک مسلسل انبیاء آتے رہے۔ آخر میں حضرت محمد ﷺ کی بعثت ہوئی۔ قرآن مجید سے بھی یہ امر ثابت ہورہا ہے کہ تمام انبیاء پر اللہ کی طرف سے وحی کی جاتی تھی:

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّيْنَ مِن بَعْدِهِ وَأَوْحَيْنَا إِلَى إِبْرَاهِيْمَ وَ إِسْمَاعِيْلَ وَ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالأَسْبَاطِ وَعِيْسَى وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ وَآتَيْنَا دَاوُودَ زَبُور[8]

(اے محمد) ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح اور ان سے پچھلے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی۔ اور ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اولاد یعقوب اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف بھی ہم نے وحی بھیجی تھی اور داود کو ہم نے زبور بھی عنایت کی تھی۔

اس آیت سے واضح طور پر معلوم ہورہا ہے کہ اللہ کی طرف سے جتنے بھی پیغمبر آئے ان سب پر اللہ کی طرف سے وحی کی جاتی تھی۔ ایک اور مقام پر وحی کو عام انسان اور پیغمبر کے درمیان فرق کے طور پر یوں بیان کیا گیا:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ إِلاَّ رِجَالاً نُّوحِيْ إِلَيْهِمْفَاسْأَلُواْ أَهْلَالذِّكْرِإِنكُنتُمْ لاَ تَعْلَمُونَ [9]

اور ہم نے تم سے پہلے مردوں ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجا تھا جن کی طرف ہم وحی بھیجا کرتے تھے اگر تم لوگ نہیں جانتے تو اہل کتاب سے پوچھ لو۔

مختصر یہ کہ وحی کوئی ایسا مظہر نہیں جو رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ سے پہلی مرتبہ معلوم ہوا ہو، بلکہ آپؐ سے پہلے آنے والے ہر پیغمبر کی طرف وحی کی گئی اور ان پر ایمان لانے والے اس وحی پر ہی ایمان لائے جس کے نزول کا انہوں نے دعویٰ کیا۔ اہل کتاب، یہود ونصاریٰمیں سے جس نے بھی رسول اللہ ﷺ کی ذات کے حوالے وحی کی مادی تعبیر کرنے کی کوشش کی، اس کے پس منظر میں درحقیقت آپؐ کی نبوت کا انکار تھا۔ اگرچہ انہوں نے وحی کی مادی تاویلات کے ذریعے، علم نفسیات کی روشنی میں اس کی نئی وضاحت کرنے کی کوشش کی۔ تاہم ایسے تمام تر مباحث سے اصلاً وحی نہیں بلکہ نبوتِ محمدی ﷺ کے بارے میں سوالات اٹھانا مقصود ہے۔

وحی کی مادی تعبیرات اور ان کا روایاتِ سیرت کی روشنی میں جائزہ

غار حرا میں عبادت کی مادی تعبیر

وحی کی ابتداء کا پس منظر بیان کرتے ہوئے بیشتر مسلم سیرت نگاروں نے رسول اللہ ﷺ کے غار حرا پر تشریف لے جانے اور وہاں عبادت میں مصروف رہنے کا ذکر کیا ہے۔تاہم رسول اللہ ﷺ کی غار حرا میں خلوت نشینی کی ایک اور تعبیر بھی کی گئی ہے جو کہ معروف مستشرق منٹگمری واٹ نے کی ہے۔وہ لکھتے ہیں:

> There is no improbability in Muhammad's going to Hira', a hill a little way from Mecca, with or without his family. It might be a method of escaping from the heat of Mecca in an unpleasant season for those who could not afford to go to at-Ta'if. [10]

> مکہ سے کچھ فاصلے پر موجود (غار) حرا کی طرف محمد کا جانا، اہل خانہ کے ساتھ یا تنہا، کوئی غیر امکانی بات نہیں، یہ ان لوگوں کے لئے ناخوشگوار موسم میں مکہ کی گرمی سے فرار کا ایک طریقہ بھی ہو سکتا ہے جو طائف جانے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے۔

یہاں مصنف انتہائی غیر محسوس طریقے سے رسول اللہ ﷺ کی شخصیت میں عبادت وزہد کے پہلو کو گھٹانے کی کوشش کر رہے ہیں۔وہ بات جو تاریخی حقائق سے ثابت ہے اس کے متعلق ایک نئی امکانی رائے دے کر یہ تاثر پیدا کرنا چاہ رہے ہیں کہ غار حرا میں جانا عبادت کے لئے نہیں بلکہ ایک نسبتاً کم گرم اور پر سکون مقام کی تلاش کے لئے بھی ہو سکتا ہے۔یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا غار حرا تک جانا ایک آسان امر تھا؟ اور کیا واقعی اہل عرب میں یہ کوئی معروف طریقہ تھا کہ کچھ لوگ گرمی کی شدت سے بچنے کے لئے غاروں میں چلے جاتے ہوں؟ تاریخی اور موجودہ حقائق سے اس بات کی تردید ہوتی ہے۔جہاں تک غار حرا کی چڑھائی کا تعلق ہے تو آج بھی اس تک پہنچنا ایک عام شخص کے لئے اس تک پہنچنا دشوار ہے۔بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ آپؐ کے لئے یہ امر آسان تھا تو بھی یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ غار حرا میں آپؐ جسمانی سکون و آرام کے لئے جاتے ہوں گے۔سیرت ابن ہشام میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ اس زمانے میں اہل عرب میں عبادت کے لئے تحنث (خلوت نشینی) کا یہ انداز معروف تھا، یعنی یہ کوئی انوکھی اور نادر بات نہیں تھی۔ابن ہشام کے مطابق

> كان رسولُ الله صلىّ الله عليه وسلّم يُجاوِرُ فِيْ حِراءٍ مِنْ كُلّ سنةٍ شهْراً، وكان ذلكم مّاتَحَنَّ ثَبِه قُريش "فِي الجاهليّةِ[11]

رسول اللہ ﷺ ہر سال میں ایک مہینہ حرا کی پہاڑیوں میں خلوت نشینی اختیار فرماتے تھے۔ کیونکہ قریش کی یہ فطرت تھی کہ وہ جاہلیت کے زمانے میں بھی عبادت مکمل توجہ اور یکسوئی کے ساتھ کیا کرتے تھے۔

اس روایت میں واضح طور پر غار حرا جانے کا مقصد بیان کیا گیا ہے۔اس کے بعد اس بارے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا کہ غار حرا تشریف لے جانے کا مقصد صرف اور صرف عبادت تھا نہ کہ مکہ کی گرمی سے فرار کی طلب۔ واضح تاریخی روایت کی موجودگی میں اس امر کے متعلق دوسری رائے پیش کرنے کا مقصد محض یہی محسوس ہوتا ہے کہ آپؐ کی ذات کے درخشندہ پہلوؤں کو تشکیکی روایات کے ذریعے دھندلا یا جاسکے اور یوں آپؐ کو محض ایک عام انسان کے طور پر پیش کر کے آپؐ کی نبوت کو مشکوک بنادیا جائے۔

جبریل کی مادی تعبیر

رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو اپنی اصل شکل میں دو مرتبہ دیکھا تھا۔تاہم حضرت جبریلؑ کو اصل صورت میں دیکھنا چونکہ آپؐ کی نبوت کی ایک قوی دلیل ہے، لہذا اس دلیل کے متعلق الجھاؤ پیدا کرنے کی کوشش یہ کہہ کر کی گئی کہ مدنی دور سے پہلے قرآن میں جبریل کا ذکر نہیں ملتا، اس لیے ممکن نہیں کہ معراج کے موقع پر جو کہ مکی دور کا واقعہ ہے، آپؐ نے جبریلؑ کو دیکھا ہو۔ معراج کے موقع پر آپؐ کا جبریلؑ کو دیکھنا قرآن کی ان آیات سے بھی ثابت ہوتا ہے:

وَهُوَبِالْأُفُقِالْأَعْلَى۔ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى .فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى۔ فَأَوْحَى إِلَى عَبْدِهِمَا أَوْحَى۔ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى۔ أَفَتُمَارُونَهُ عَلَيمَ ايَرَى۔ وَلَقَدْ رَآهُنَزْلَةًأُخْرَى۔ عِندَ سِدْرَةِالْمُنْتَهَى[12]

ان آیات سے جبریلؑ کی جو رؤیت ثابت ہوتی ہے اس پر بحث کرتے ہوئے منٹگمری واٹ لکھتے ہیں:

یہ سوچنے کی وجہ موجود ہے کہ محمد نے پہلے اسے خود خدا کی رؤیت خیال کیا۔ مدنی دور سے پہلے قرآن میں جبریل کا ذکر نہیں ملتا۔ سورۃ نجم کی آیت نمبر 10 میں "عبدہ" کے الفاظ سے لازماً خدا کا بندہ ہی مراد ہے، جیسا کہ مسلمان متفق ہیں؛ تاہم اگر یہاں افعال کا فاعل خدا کو نہ سمجھا جائے تو جملے کی تشکیل بے ڈھب ہو جاتی ہے۔۔۔ اگر محمد نے آغاز میں ہی اس رؤیت کی تعبیر خدا کی رؤیت کے طور

پر کی ہوتی تو اس سے یہ نتیجہ نکلتا، جو اگرچہ مکمل طور پر درست نہ ہوتا، کہ اساسی طور پر وہ غلط نہیں تھے۔ شاید آیت کا ترجمہ یوں ہونا چاہئے: 'اس شخص نے جو دیکھا اس معاملہ میں اس کے دل نے غلطی نہیں کی۔' اس طرح سے یہ ممکن ہو گا کہ ہم اسے رؤیت جبریل قرار دینے سے بچ سکیں، جو کہ تاریخی حقائق کے مطابق نہیں، اور قدامت پسند مسلمانوں کے اس نظریہ سے اختلاف کرنے سے بھی بچ سکیں کہ محمد نے خدا کو نہیں دیکھا۔[13]

مصنف کے اس خیال کی بنیاد مندرجہ ذیل اسباب ہیں:

1) قرآن میں جبریل کا ذکر مدنی عہد ہی میں آیا ہے۔

2) سیاق عبارت اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اس کے بغیر عبارت بے ربط ہو جاتی ہے۔

3) صحیح بخاری کی یہ حدیث جس میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں: حتّی فَجائھاالحقُّو ھوفِیغارحراء[14] (یہاں تک کہ حق ان کے پاس آ پہنچا جبکہ وہ غار حرا میں تھے۔) اس میں لفظ ''الحق'' سے اس کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ حق سے خدا کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

4) طبری میں ایک روایت حضرت جابرؓ سے سورۃ مدثر کے بارے میں ملتی ہے۔ اس میں محمد کا صرف یہ جملہ منقول ہے ''میں نے ایک آواز سنی جو مجھے پکار رہی تھی، میں نے اپنے چاروں طرف دیکھا تو کسی کو نہ پایا میں نے سر اوپر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ عرش پر بیٹھا ہوا ہے۔[15]

مصنف نے یہاں تین باتوں کو خلط ملط کر دیا ہے۔ (1) وحی کی ابتداء سے قبل نیند کی حالت میں خواب (2) جبریل کو دیکھنا جب وہ ''اقرأ'' کی آیت لے کر آئے تھے (3) جبریل کو اصل شکل میں دیکھنا۔ چنانچہ اس سے سمجھ لیا کہ اس سے نیند کی حالت میں خواب مراد نہیں ہے، بلکہ سورۃ نجم میں جس چیز کا تذکرہ ہے یہ اس کی طرف اشارہ ہے۔ پھر اس سے سمجھ لیا کہ محمد نے جو کچھ دیکھا اس سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔ اپنی رائے کو درست ثابت کرنے کے لئے انہوں نے یہ دلیل دی کہ مکی سورتوں میں جبریل کا ذکر نہیں ہے۔ درحقیقت اس کی مراد یہ ہے کہ مکی سورتوں میں صراحت کے ساتھ ''جبریل'' کا لفظ نہیں آیا ہے، ورنہ جہاں تک اوصاف اور ضمائر کا تعلق ہے تو بہت سی جگہوں پر مسلمانوں کے نزدیک ان سے مراد جبریل ہیں۔ جبریل کا ذکر مکی سورتوں میں نہ ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ابتدائی وحی میں حضرت محمد ﷺ نے جو کچھ دیکھا وہ

جبریل نہیں تھے، جبکہ رسول اللہ ﷺ نے خود فرمایا ہے کہ انہوں نے جو کچھ دیکھا وہ جبریل ہی تھے۔مزید یہ کہ یہ استدلال تو صرف اسی شخص کے لئے صحیح ہو سکتا ہے جو صرف قرآن کو ہی قابل استدلال سمجھتا ہو یا جس کے نزدیک حدیث کی روایت مستند نہ ہو یا وہ شخص جو اس روایت کو قرآن کے مندرجات کے برعکس سمجھتا ہو۔ظاہر ہے کہ ایسی بھی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔اگر واٹ کی دلیل کو درست مانا جائے تو یہ بھی کہنا چاہئے کہ مکہ میں جس شخص کی طرف وحی کی گئی تھی وہ محمد ﷺ نہیں تھے کیونکہ محمد ﷺ کا نام مکی سورتوں میں نہیں آیا ہے۔

جبریل کے متعلق سرسید کے خیالات بھی منٹگمری واٹ سے بہت مماثل نظر آتے ہیں۔ایک مقام پر وہ لکھتے ہیں:

> پس وحی وہ چیز ہے جس کو قلب نبوت پر بسبب اسی فطرت نبوت کے مبدءِ فیاض نے نقش کیا ہے۔وہی انتعاش قلبی کبھی مثل ایک بولنے والی آواز کے انہیں ظاہری کانوں سے سنائی دیتا ہے اور کبھی وہ نقش قلبی دوسرے بولنے والے کی صورت میں دکھائی دیتا ہے۔مگر بجز اپنے آپ کے نہ وہاں کوئی آواز ہے نہ بولنے والا۔خدا نے بہت سی جگہ قرآن میں جبرئیل کا نام لیا ہے۔مگر سورۃ بقرۃ میں اس کی ماہیت بتادی ہے جہاں فرمایا ہے کہ جبرئیل نے تیرے دل میں قرآن کو خدا کے حکم سے ڈالا ہے۔دل پر اتارنے والی یا دل میں ڈالنے والی وہی چیز ہوتی ہے جو خود انسان کی فطرت میں ہو۔نہ کوئی دوسری چیز جو فطرت سے خارج اور خود اس کی خلقت سے جس کے دل میں ڈالی گئی ہے جداگانہ ہو۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسی ملکۂ نبوت کا جو خدا نے انبیاء میں پیدا کیا ہے جبرئیل نام ہے۔یہی مطلب قرآن کی بہت سی آیتوں سے پایا جاتا ہے۔جیسے کہ سورۃ قیامۃ میں فرمایا ہے کہ ”إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ۔ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ۔ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ۔[16] یعنی ہمارا ذمہ ہے،وحی کو تیرے دل میں اکٹھا کر دینے اور اس کے پڑھ دینے کا۔پھر جب ہم اس کو پڑھ چکیں تو اس پڑھنے کی پیروی کر۔پھر ہمارا ذمہ ہے اس کا مطلب بتانا۔ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا اور پیغمبر میں کوئی واسطہ نہیں ہے خود خدا ہی پیغمبر کے دل میں وحی جمع کرتا ہے۔وہی پڑھتا ہے۔وہی مطلب بتاتا ہے اور یہ سب کام اسی فطری قوت نبوت کے ہیں جو خدا تعالیٰ نے مثل دیگر قوائے انسانی کے انبیاء

میں بمقتضائے ان کی فطرت کے پیدا کی ہے اور وہی قوت ناموس اکبر ہے اور وہی قوت جبرئیل پیغمبر۔[17]

سر سید احمد خان کی طرف سے جبریل کی یہ انوکھی تعبیر کہ خود "ملکۂ نبوت" ہی جبریل ہے نہ صرف صحیح احادیث کی واضح نفی ہے بلکہ خود قرآن کریم کی اس آیت کا بھی انکار ہے جس میں اللہ تعالی فرماتے ہیں:

قُلْ مَن كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّهِ مُصَدِّقاً لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ۔[18]

کہہ دو کہ جو شخص جبرئیل کا دشمن ہو (اس کو غصے میں مر جانا چاہئے) اس نے تو (یہ کتاب) خدا کے حکم سے تمہارے دل پر نازل کی ہے جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ایمان والوں کے لئے ہدایت اور بشارت ہے۔

اس آیت سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ جبریل محض ملکہ نبوت کا نام نہیں بلکہ وہ ایک الگ شخصیت ہیں جنہوں نے اللہ کے حکم سے رسول اللہ ﷺ کے قلب پر قرآن نازل کیا۔ اگر اس آیت میں بھی جبریل سے مراد ملکہ ءنبوت لیا جائے تو اس کا یہ مطلب ہو گا کہ آپؐ کی اپنی ہی ایک صلاحیت نے آپؐ کے دل پر وحی نازل کی جو کہ ایک بے معنی بات ہے۔

سر سید احمد خان کی طرح سید امیر علینے بھی جبریل کی ایک نئی تعبیر پیش کی ہے:

The over-wrought mind at these moments raises a vision before the eye, a vision of the celestial ministrants who are believed to form the medium of inter-communication between the God of Heaven and the man on earth. [19]

ایسے لمحات میں ایک متکدر ذہن نظر کے سامنے ایک نظارہ لے آتا ہے۔ سماوی معاون کا دکھائی دینا جن کے بارے میں یہ یقین کیا جاتا ہے کہ وہ آسمان پہ خدا اور زمین پہ انسان کے درمیان ایک واسطہ ہیں۔

گویا مصنف کے نزدیک جبریل ایک الگ وجود نہیں بلکہ ذہن کا تخلیق کردہ ایک منظر ہیں۔ ان کے نزدیک وحی درحقیقت حق کی آواز ہے جو اللہ کی طرف سے انبیاء تک پہنچائی جاتی ہے۔ جبریل کے متعلق ان کے نقطہ ءنظر کا رد بھی ان آیات و احادیث سے ہو جاتا ہے جن کا اوپر ذکر کیا گیا۔ اس بات کا مزید ثبوت کہ حضرت جبریل ایک الگ شخصیت (فرشتہ) ہیں،

معروف حدیثِ جبریل سے بھی ملتا ہے جس میں ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آکر آپؐ سے ایمان، اسلام، احسان اور قیامت کے بارے میں سوال کرتا ہے اور اس شخص کے جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ صحابہ کرامؓ کو بتاتے ہیں کہ: ھذا جبریلُ، جآء یُعلّم النّاس دینھم (یہ جبریلؑ تھے جو لوگوں کو ان کا دین سکھانے آئے تھے۔)[20]

یہ کیونکر ممکن ہے کہ انسان کا کوئی باطنی تصور یا اس کی کوئی خاص روحانی صلاحیت اس کے سامنے ایک انسان کی شکل میں آئے اور نہ صرف وہ خود اس کا مشاہدہ کرے بلکہ دیگر لوگ بھی اس کے شاہد ہوں۔ ظاہر ہے کہ یہ بات خلاف عقل ہے۔ چنانچہ جبریلؑ کی مادی تعبیر کو صرف اسی صورت میں ہی تسلیم کیا جاسکتا ہے جب قرآن وحدیث کی بین نصوص کا انکار کر دیا جائے جو جبریل کے الگ خود مختار وجود پر واضح طور پر دلالت کرتی ہیں۔

وحی کو ذاتی روحانی تجربے کا نتیجہ اور لاشعور کی آواز قرار دینا

کسی عام مسلمان سے اگر یہ سوال کیا جائے کہ مسلمان ہونے کا مطلب کیا ہے تو یہی جواب ملے گا کہ اللہ کو ایک ماننا اور محمد ﷺ کو اس کا رسول ماننا۔ گویا یہ بات ایک کم ترین علم رکھنے والا مسلمان بھی جانتا ہے کہ ایمان کے بنیادی تقاضوں میں سے ہے کہ محمد ﷺ کو اللہ کا رسول مانا جائے جس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ آپؐ پر نازل ہونے والی وحی کو اللہ کا کلام تسلیم کیا جائے۔ تاہم ایک مسلمان کا یہ عقیدہ اس کے لئے جتنا اہم اور لازم ہے، سیرت کی مادی تعبیر کرنے والوں کے لئے اتنا ہی ناقابل قبول ہے۔ ان کے نزدیک حضرت محمد ﷺ کے متبعین کا ان کی کتاب کو اول وآخر الہامی کلام تسلیم کرنا ایک ایسی بات ہے جس کو "جدید علم کا حامل ذہن" تسلیم کرنے سے عاجز ہے۔ منٹگمری واٹ اس بارے میں یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

> قدامت پسند مسلمان یہ یقین رکھتے ہیں کہ قرآن اپنی اصل کے اعتبار سے مکمل طور پر مافوق الفطرت ہے؛ یہ خدا کا غیر مخلوق کلام ہے (اگرچہ مادی ذرائعِ انتقال۔ آوازیں، کاغذ پر نشانات وغیرہ تخلیق کئے جاتے ہیں)۔ مغربی سیکولر سمجھتا ہے (یا اسے یوں سمجھنا چاہیے اگر وہ محمد کے قائم کردہ امتیاز کو تسلیم کرے) کہ قرآن محمد کے شعوری ذہن کی بجائے ان کی شخصیت کے کسی دوسرے حصے کی تخلیق ہے۔ تیسرا بنیادی نقطہ نظر یہ ہے کہ قرآن ایک ربانی عمل ہے جس کا ظہور محمد کی شخصیت کے ذریعے اس طور پر ہوا کہ قرآن کی بعض خصوصیات کو بنیادی طور پر صرف محمد کی انسانی شخصیت سے منسوب

کرنا چاہئے؛ یہ غالباً ان عیسائیوں کا تصور ہے جو اسلام میں کسی قدر ربانی سچائی کا اقرار کرتے ہیں، اگرچہ یہ کبھی پوری طرح ثابت نہیں ہو سکا۔[21]

اس سے ملتی جلتی رائے کا اظہار مشہور مستشرق کینیتھ کریگ Albert Kenneth Cragg(1913ء-2012ء)یوں کرتے ہیں:

> اگرچہ مسلمان عموماً یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ محمد کی بعثت ان کے ذہن کے شعوری مراحل کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ وہ قطعی طور پر ایک بیرونی ذریعہ سے عطا ہوئی، اس طور پر کہ انہوں نے جو کچھ محسوس کیا اور کہا وہ مکمل طور پر خدا کی طرف سے تھا، نہ کہ ایک غیر معمولی ذہن، سخت ریاضت یا ذہانت کی پیداوار تھی جو ایک پیغمبر کی اپنی ہو سکتی تھیں۔(تاہم اس بارے میں)ان کی ذات کا کوئی حوالہ دیئے بغیر ان کے مقام و مرتبے سے انصاف کرنا ممکن نہیں۔[22]

یہاں مصنف نے یہ کہنے کی کوشش کی ہے کہ محمد ﷺ کی شخصیت کی اصل عظمت تب ثابت ہوگی جب قرآن کو ان کا ذاتی کلام سمجھا جائے۔ مصنف بظاہر یہ تاثر دے رہے ہیں کہ وہ محمد ﷺ کی ذاتی صلاحیتوں کا اعتراف کرنا چاہتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کو آپ ؐ کی ذات سے منسوب کرنے کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ آپ ؐ کو جھوٹا یا فریب نفس کا شکار سمجھا جائے۔(نعوذ باللہ من ذلک)۔ تاہم مصنف نے اس بات کا اعتراف ضرور کیا ہے کہ آپ ؐ کے اس دعویٰ وحی کو سائنسی بنیادوں پر جانچا نہیں جا سکتا۔ نیز یہ کہ وحی کے بارے میں روایات کی تاریخی سند کا مکمل انکار بھی ممکن نہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> It (Muhammad's revelatory experience) is perhaps too distant and too charged an area of historical significance for any purely scientific analysis to be either feasible or sound. What is of vastly greater importance is how these experiences shaped Muhmmad's life-story and what they came to mean for him in terms of character and destiny and for his followers as a God-given reality.[23]

> محمد کا تجربۂ وحی ایک خالص سائنسی تجزیئے سے بہت دور ہے اور اتنی تاریخی اہمیت رکھتا ہے کہ اس کا خالص سائنسی تجزیہ کرنا آسان ہے نہ درست۔ سب سے زیادہ اہمیت اس بات کی ہے کہ ان تجربات

نے محمد کی داستانِ حیات کو کیسے تشکیل دیا، ان کے کردار اور مقدر پر اس کا کیا اثر ہوا اور ان کے پیروکاروں کے لئے خدا کی طرف سے عطا کردہ حقیقت کے طور پر ان کا کیا مفہوم تھا۔

گویا مصنف وحی سے متعلق روایات کی تاریخی اہمیت کا مکمل انکار کر کے اپنا مخفی تعصب بھی سامنے نہیں لانا چاہتے اور ایک الہامی کلام کی حیثیت سے وحی کی اصل اہمیت کا اعتراف کرنے سے بھی گریزاں ہیں۔ مشہور مستشرق ٹامس کارلائل جو مسلم قارئین کے ہاں عموماً ایک غیر متعصب مغربی مصنف کے طور پر جانے جاتے ہیں، وہ بھی وحی کو کھلے دل سے کلام الٰہی قرار دینے سے قاصر ہیں۔ وحی کو فطرت کی آواز قرار دیتے ہوئے وہ اس کی ایک منفرد تشریح کرتے ہیں:

> ایسے شخص کی آواز براہ راست قلبِ قدرت کی آواز ہے۔ لوگوں کو چاہئے کہ وہ اسے سنیں اور اس طرح سنیں کہ جس طرح انہوں نے کبھی کوئی آواز نہیں سنی؛—اس کے مقابلے میں سب آوازیں محض ہوا کی مانند ہیں۔ بہت شروع سے، ہزاروں خیالات، ان کی زیارتوں اور سیاحتوں کے دوران اس شخص کے اندر اٹھتے رہے: میں کون ہوں؟ یہ ناقابل ادراک شے جس پر میں رہتا ہوں اور جسے لوگ کائنات کہتے ہیں، یہ کیا ہے؟ زندگی کیا ہے؛ موت کیا ہے؟ مجھے کیا ماننا ہے؟ مجھے کیا کرنا ہے؟ جبل سینا اور غار حرا کی سنگلاخ چٹانیں اور درشت صحرائی خلوت جواب نہ دے سکی۔ اپنے نیلگوں ستاروں کے ساتھ، سر پہ تنا خاموش آسمان جواب نہ دے سکا۔ کہیں کوئی جواب نہ تھا۔ اس شخص کی اپنی روح اور جو ربانی وجدان اس میں موجود تھا، اس کو ہی (ان سوالات کا) جواب دینا پڑا۔[24]

کتب سیرت سے اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ بعثت سے قبل رسول اللہ ﷺ اس قسم کی کسی کیفیت سے گزر رہے تھے جس میں آپؐ کے ذہن میں موت وحیات کے راز سے متعلق سوال اٹھ رہے ہوں۔ اس کے برعکس آپؐ کی قبل از بعثت زندگی کے بارے میں جتنی بھی معلومات ملتی ہیں، اس سے ایک ایسی شخصیت سامنے آتی ہے جس کی خداداد بصیرت نے شروع سے ہی اسے تمام قسم کی جاہلی برائیوں سے دور رکھا تھا۔ سیرت ابن ہشام کے مطابق حضور اکرم ﷺ نے جوانی کے خارزار میں اس طرح قدم رکھا کہ گویا اللہ تعالیٰ آپؐ کی نگرانی وحفاظت فرما رہا تھا۔ آپؐ کو جاہلیت کی گندگی و آلائشوں سے بالکل بچا کر رکھا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے کبھی بتوں کی عبادت نہیں کی۔[25] جہاں تک اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا

تعلق ہے تو یہ بات نہ صرف احادیث وسیرت سے بلکہ قرآن سے بھی ثابت ہے کہ اہل عرب اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ موت وحیات کا مالک صرف اللہ ہے:

قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ أَمَّن يَمْلِكُ السَّمْعَ والأَبْصَارَ وَمَن يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيَّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَن يُدَبِّرُ الأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللّهُفَقُلْ أَفَلاَ تَتَّقُونَ[26]

اس آیت سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ موت وحیات کی تخلیق سے متعلق اہل عرب کے ہاں کوئی ابہام نہیں پایا جاتا تھا۔البتہ اہل عرب حیات بعد از موت کے منکر ضرور تھے اور اسی وجہ متعدد اخلاقی امراض کا شکار بھی تھے جو ہر ایسی قوم میں نمو پانے لگتے ہیں جو بعث بعد الموت کی قائل نہ ہو۔البتہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی ان تمام اخلاقی برائیوں سے محفوظ تھی۔سفر شام کے دوران جب بحیرہ نے آپؐ کو لات اور عزی کی قسم دے کر آپؐ سے کچھ سوالوں کے جواب مانگے تو آپؐ نے فرمایا:

لا تَسْئلنيْ باللّاتِ والعُزّى شيئاً، فوالله ماأبغضْتُ شيئًاقطُّ بُغضهما[27]

گویا آپؐ صرف بتوں کی عبادت سے دور ہی نہیں تھے بلکہ بت پرستی سے نفرت بھی رکھتے تھے۔کارلائل ایک طرف تو آپ کو بنیادی سوالات کے جواب میں سرگرداں شخص کے طور پر پیش کرتے ہیں، جس کا سیرت کی کتابوں سے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔دوسری طرف وہ آپؐ پر نازل ہونے والی وحی کو آپؐ کے ہی قلب کی آواز قرار دیتے ہیں۔یہ وہی تصور ہے جو مختلف مستشرقین اپنے انداز میں پیش کرتے ہیں۔مثال کے طور پر دور جدید کی معروف مستشرقہ کیرن آرمسٹرانگ وحی کو دماغی دورے پر قیاس کرتے ہوئے،وحی کے الفاظ کو آپؐ کے اپنے ہی نفس کی آواز قرار دیتی ہیں:

> It was while he was making his annual retreat on Mount Hira' in about the year 610 that he experienced the astonishing and dramatic attack. The words that were squeezed, as if from the depths of his being, went to the root of the problem in Mecca.[28]

غیر واضح الفاظ میں مصنفہ وحی کی کیفیت کے لئے "attack" جیسے الفاظ کا استعمال کر کے اسے مرگی کے مرض سے جوڑنے کی کوشش کر رہی ہیں۔یہ وہ تصور ہے جسے خود مستشرقین رد کر چکے ہیں۔اس وجہ سے کہ کسی بھی قسم کے دماغی مرض کا شکار انسان ذہنی خلفشار کا شکار تو ہو سکتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس کیفیت میں اس کی پہلے موجود صلاحیتیں بھی دب

کر رہ جائیں، مگر یہ ممکن نہیں کہ ایسے امراض کا شکار لوگ ایک ایسا کلام مرتب کرلیں جس سے ہزاروں لوگوں کی زندگی میں انقلاب برپا ہو جائے۔الفریڈ گیوم(1888ء-1965ء)آپ ؐ پر مرگی کے مرض کاالزام رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> اگر کبھی وہ کسی جنگ یا تنازعے کی پریشانی میں ہمت ہار گئے ہوتے یا کسی ایسے موقع پر غش کھا گئے ہوتے جب کوئی مشکل اقدام پیش ہو، تو(مرگی کے مرض کا)الزام لگایا بھی جاسکتا تھا۔تاہم ہمارے پاس جتنے بھی ثبوت ہیں وہ اس کے مخالف امر کی طرف اشارہ کرتے ہیں(یعنی اس بات کی طرف کہ آپ ؐ کو ایسی کوئی بیماری لاحق نہیں تھی)اور راقم الحروف کی نظر میں مرگی کا تصور اتنا ہی بے بنیاد ہے جتنا مسلمانوں کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔[29]

مستشرق(1899ء-1974ء)Rom Landau نے بھی مرگی کے الزام کو قطعی طور پر رد کیا ہے اور لکھا ہے کہ مرگی کے دوران کوئی شخص قرآن جیسا منظم اور گہرا کلام تخلیق نہیں کرسکتا۔[30]

گولڈ زیہر(1850ء-1921ء)وحی کا پس منظر بیان کرتے ہوئے اسے رسول اللہ ﷺ کی اس شدید خواہش سے منسوب کرتے ہیں کہ وہ اپنی قوم کو بداعمالیوں سے روکنا چاہتے تھے۔یعنی اپنی قوم کی اصلاح کی یہ خواہش ہی ان کے سامنے ایسے خواب اور نظارے لے آئی جس کی بنا پر انہوں نے خود کو پیغمبر سمجھ لیا۔

> In the loneliness of the caves near the city wither he was wont to withdraw, the man of two-score years felt himself more and more impelled through vivid dreams, visions and hallucinations to go among his people, and to warn them of the destruction to which their actions were leading them. He feels himself irresistably forced to become the moral teacher of his people. [31]

> شہر کے قریب غاروں کی تنہائی میں جہاں وہ خلوت اختیار کرنے جایا کرتے تھے،اس چالیس برس کے آدمی نے واضح خوابوں، مکاشفوں اور خفقانات کے باعث خود کو آہستہ آہستہ اس امر پر بہت مجبور پایا کہ وہ اپنے لوگوں کے درمیان جائیں اور ان کو اس تباہی کے بارے میں خبردار کرسکیں جو ان کے اعمال کے باعث آنے والی تھی۔انہوں نے خود کو اس امر پر انتہائی مجبور پایا کہ وہ اپنی قوم کے روحانی استاد بن جائیں۔

ایچ اے آر گبHamilton Alexander Rosskeen Gibb(1895ء-1971ء) بھی اس سے ملتی جلتی رائے کا اظہار کرتے ہوئے ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ بعض اہم واقعات (مثلاً خطبہ حجۃ الوداع) کے قرآن میں مذکور نہ ہونے سے ہمیں اس اکثر پیش کئے جانے والے نقطۂ نظر کے سامنے توقف کرنا پڑتا ہے کہ محمد ﷺ نے وحی کو ایک ایسے آلے کے طور پر استعمال کیا جس کے ذریعے وہ معاشرے پر اپنا فیصلہ نافذ کر سکیں یا حل طلب مسائل کا حل پیش کر سکیں۔یقیناً بعض معمولی نوعیت کے عائلی اور سیاسی مسائل کے مدنی سورتوں میں بیان سے ناقدین کو یہ محسوس ہوتا ہے۔نفسیاتی وضاحت خواہ کوئی بھی ہو،اس نتیجے کا انکار کرنا بہت مشکل ہے کہ ''وحی'' کی اصطلاح اس کلام کے لئے مخصوص تھی جو پیغمبر خود تخلیق نہیں کرتے تھے اور جس کے متعلق انہیں محسوس ہوتا تھا کہ کوئی بیرونی قوت ان کے منہ میں وہ کلام ڈالتی ہے۔[32]

دوسرے الفاظ میں وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ محمد ﷺ نے اپنی قوم کی اصلاح کے لئے خود کو پیغمبر کے طور پر پیش کیا تاکہ ان کی قوم ان کے پیغام زیادہ کو توجہ سے سنے۔یعنی خدا کی طرف سے انہیں کوئی ایسا منصب نہیں دیا گیا تھا بلکہ صرف قوم کی روحانی اصلاح کی خاطر انہوں نے خود کو اللہ کے رسول کے طور پر پیش کیا۔سوال یہ ہے کہ اگر حضرت محمد ﷺ محض ایک عام مخلص شخص تھے جو صرف اپنی قوم کی خیر خواہی چاہتے تھے اور پیغمبری کے دعویٰ کا مقصد محض لوگوں کی توجہ حاصل کرنا تھا تاکہ وہ باطل کو ترک کر کے حق کی راہ پر آجائیں تو ایسی صورت میں جب ان کی قوم نے ان کے اعلان نبوت کے باوجود ان کے پیغام سے بے اعتنائی برقرار رکھی اور اس کے ساتھ ساتھ انہیں ستانے کا سلسلہ بھی شروع کر دیا تو اس وقت آپؐ نے اپنی اس حکمت عملی پر نظر ثانی کیوں نہیں فرمائی؟اور ان کے مطالبوں پر آپؐ نے ان کے ساتھ کسی قسم کا سمجھوتہ کیوں نہیں کیا؟ حقیقت یہ ہے کہ آپؐ کا اپنی قوم کے سامنے اعلان نبوت ایک دشوار ترین امر تھا۔کیونکہ آپؐ جانتے تھے کہ لوگ نہ صرف آپؐ کے پیغام کو رد کر دیں گے بلکہ آپؐ کا استہزاء بھی کریں گے،ان تمام اندیشوں کے باوجود آپؐ اللہ کے حکم پر لوگوں کے درمیان نکلے اور اعلان نبوت فرمایا۔اس اعلان پر آپؐ کی قوم کا فوری رد عمل انتہائی مایوس کن تھا یہاں تک کہ آپؐ کے چچا ابو لھب تک نے آپؐ کے خلاف ہرزہ سرائی کی۔[33]

مستشرق Rom Landau آپؐ پر دھوکہ دہی کے الزام کو رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جس اخلاص سے محمد ﷺ نے اپنا مشن سرانجام دیا اور جیسا عقیدت و احترام آپؐ کے پیروکار آپؐ کے لئے رکھتے ہیں اور جس طرح سے

صدیوں سے عقیدت واحترام کا یہ سلسلہ جاری وساری ہے، اس کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا غلط ہوگا کہ محمد (ﷺ) نے کسی جھوٹ یا دھوکہ کا ارتکاب کیا۔[34]

وحی الٰہی کے نزول میں آپؐ کی خواہش اور مرضی کا ذرہ برابر بھی دخل نہیں تھا۔ ''فترۃ وحی'' جو تاریخ سے ثابت ہے،اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ کی مرضی اور خواہش کے مطابق وحی کا نزول نہ ہوتا تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو آپؐ کو وحی کے رک جانے پر ہرگز کوئی پریشانی نہ ہوتی۔ خود قرآن سے اس بات کی تردید یوں ہوتی ہے:

وَمَا كُنتَ تَرْجُو أَن يُلْقَى إِلَيْكَ الْكِتَابُ إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِّلْكَافِرِينَ[35]

اور تمہیں امید نہ تھی کہ تم پر یہ کتاب نازل کی جائے گی مگر تمہارے پروردگار کی مہربانی سے (نازل ہوئی) تو تم ہرگز کافروں کے مددگار نہ ہونا۔

آپ ﷺ بعض مواقع پر سنگین مسائل سے دوچار ہوتے اور اس وقت فوری رہنمائی کی ضرورت ہوتی مگر آپ کو وحی کے نزول کا انتظار رہتا۔ واقعہ افک اس کی واضح مثال ہے کہ جب آپؐ منافقین کے ناپاک بہتان کے سبب انتہائی اذیت کا شکار تھے مگر اس وقت تک اس معاملہ میں کچھ کہنے سے توقف کیا جب تک اللہ تعالی کی طرف وحی نازل نہیں ہوگئی۔ ایک مرتبہ کفار نے آپؐ سے چند سوالات کیے، آپؐ نے اگلے دن جواب دینے کا وعدہ کیا، یہ سوچ کر کہ اس دوران اللہ کی طرف سے رہنمائی نازل ہو جائے گی، مگر آپؐ ان شاء اللہ کہنا بھول گئے۔ چنانچہ کئی روز تک وحی نہیں آئی اور جب آئی تو اس میں یہ حکم موجود تھا:

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا۔ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ وَاذْكُر رَّبَّكَ إِذَا نَسِيتَ وَقُلْ عَسَىٰ أَن يَهْدِيَنِ رَبِّي لِأَقْرَبَ مِنْ هَٰذَا رَشَدًا۔[36]

اور کسی کام کی نسبت نہ کہنا کہ میں اسے کل کر دوں گا مگر (ان شاء اللہ کہہ کر یعنی اگر) خدا چاہے تو (کر دوں گا) اور جب خدا کا نام لینا بھول جاؤ تو یاد آنے پر لے لو اور کہہ دو کہ امید ہے کہ میرا پروردگار مجھے اس سے بھی زیادہ ہدایت کی باتیں بتائے۔

اگر وحی کے آنے میں آپؐ کی کسی خواہش کا عمل دخل ہوتا تو آپؐ کے چاہنے کے باوجود وحی آنے میں تاخیر کیوں ہوتی اور پھر آنے والی وحی میں ''ان شاء اللہ'' کے الفاظ کہنے کی خصوصی تاکید کیوں کی جاتی؟

طور اینڈرے وحی کو آپ ؐ کا ذاتی کلام قرار دینے کی بالواسطہ کوشش کرتے ہوئے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ مدنی دور میں نازل ہونے والی آیات کا انداز اور مضامین الہامی نہیں ہو سکتے کیونکہ ان آیات کا انداز غیر شاعرانہ اور موضوعات مثلاً معاشرتی معاملات، جہاد وغیرہ عملی زندگی سے بہت زیادہ تعلق رکھتے ہیں اور غالباً مصنف کے نزدیک یہ بات خدا کے شایان شان نہیں کہ وہ انسانوں کو ان کی عملی زندگی کے معاملات سکھائے، لہذا اس سے انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ مدنی دور سے تعلق رکھنے والی آیات کو کلام الٰہی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ وہ لکھتے ہیں:

> اور اس سے بھی زیادہ مشکل یہ محسوس ہوتا ہے کہ مدنی دور کے آخری سالوں کے تفصیلی اور اکثر غیر شاعرانہ و متین احکامات کو حقیقی اور براہ راست ربانی الہام کا نتیجہ سمجھا جائے۔ تاہم، یہ بالکل ایک فطری عمل ہے کہ ابتدائی طور پر ایک بدیہی الہام آہستہ آہستہ تصورات کی آمد میں تبدیل ہو جائے اور شعوری ارادے کے زیادہ سے زیادہ تابع ہوتا چلا جائے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کس طرح پیغمبر آہستہ آہستہ ان تصورات کو جو ان کے اپنے شعور سے ابھرے اور ان فیصلوں کو جو ان کی روح میں مصمم ہوئے، الٰہی ارادے کا براہ راست اظہار سمجھنے کے عادی ہو گئے۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں، ایسے ارتقاء کو نفسیاتی طور پر بالکل حسب قاعدہ سمجھنا چاہئے۔ ایسی صورتحال میں ہمیں وحی کے شعوری طور پر غلط استعمال یا اس کے ابطال جیسی باتیں کرنے سے احتیاط کرنا چاہیے۔[37]

ایک اور مقام پر یہی بات ان الفاظ میں لکھتے ہیں کہ "Mohammed's inspiration was genuine in the psychological sense."[38] یعنی نفسیاتی طور پر محمد کا وجدان بالکل خالص تھا۔ گویا وحی در حقیقت ایک نفسیاتی کیفیت تھی جس کے متعلق صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ یہ کیفیت جھوٹی نہیں تھی بلکہ واقعتاً آپ ؐ پر طاری ہوئی تھی اور آپ ؐ اس غلط فہمی کا شکار ہو گئے تھے کہ کوئی بیرونی قوت آپ ؐ سے کلام کر رہی ہے جبکہ حقیقت میں وہ آپ ؐ کی اپنی ہی آواز تھی جو آپ ؐ لاشعور سے اٹھ رہی تھی۔ یہاں اس بات کا جائزہ لینا ضروری ہے کہ کیا انسانی لاشعور میں ایسی قوت پنہاں ہے کہ اس سے الہامی کلام کے مماثل کلام پیدا ہو سکے اور اس میں ایسے امور کے بارے میں گفتگو کی گئی ہو جس کا اس انسان کو اس سے پہلے کوئی ادراک نہ ہو۔ علم نفسیات میں انسانی لاشعور کی پنہاں صلاحیتوں کے بارے میں سب سے اہم نظریہ مشہور و معروف عصبیات دان اور تحلیل نفسی کے بانی سگمنڈ فرائڈ کی طرف سے پیش کیا گیا۔ فرائڈ نے انسانی ذہن کو برف

کے ایسے تودے سے تشبیہ دی جس کا سطح آب کے تلے پوشیدہ حصہ حجم میں اس کے ظاہری حصے سے کہیں زیادہ بڑا ہوتا ہے۔بعینہ انسانی لاشعور، شعور کے مقابلے میں کہیں زیادہ اہم اور پیچیدہ ہے۔فرائڈ کے مطابق لاشعور میں ایسے تمام انسانی جذبات اور خواہشات پوشیدہ ہوتی ہیں جو انسانی رویئے کا تعین کرتی ہیں۔ماضی کے تمام تجربات اور ان سے پیدا ہونے والے اثرات بھی ہمارے لاشعور کا حصہ بن جاتے ہیں اور اس طرح سے ہمارے اعمال پر اثر انداز ہوتے ہیں۔جدید نفسیات میں انسانی لاشعور کی اہمیت کو مزید اجاگر کیا گیا اور کہا گیا کہ لاشعور صرف ایک وجود نہیں ہے جیسا کہ فرائڈ نے سمجھا بلکہ وہ کئی اکائیوں کا مجموعہ ہے جو وقت کے ساتھ تشکیل پاتی ہیں اور شعور کے دائرے سے باہر عمل کرتی ہیں۔[39] اس تصور سے انسانی زندگی میں انسانی لاشعور کے اہم کردار کا اندازہ تو ہوتا ہے۔تاہم،اس سے ایسا کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ لاشعور کوئی ایسا کلام پیش کرنے پر بھی قادر ہے جس کی معلومات کا کوئی ماخذ ہو نہ ماضی میں اس سے متعلق انسان کو کوئی تجربہ ہوا ہو۔وہ بھی ایسا کلام کہ جو ماضی اور مستقبل کے سچے واقعات بیان کرے،انسان کے عمومی کلام سے کہیں زیادہ فصیح و بلیغ ہو اور جس کا اسلوب بھی اس کے اسلوب گفتگو سے کوئی مماثلت نہ رکھتا ہو۔لہذا قرآن مجید کو رسول اللہ ﷺ کے لاشعور کی تخلیق قرار دینے کا نظریہ خود علم نفسیات کی روشنی میں بے بنیاد ٹھہرتا ہے۔

لفظ"امی"کی تاویل

وحی کی مادی تعبیر کرنے کے لئے، بالفاظ دیگر اسے رسول اللہ ﷺ کا کلام قرار دینے کے لئے، یہ ثابت کرنا بھی ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔کیونکہ دوسری صورت میں یہ سوال اٹھے گا کہ ایک ناخواندہ شخص کے لئے جو سابقہ الہامی کتابوں کا بھی کوئی علم نہیں رکھتا تھا،ایک ایسا کلام پیش کرنا کیسے ممکن ہو گیا جس میں سابقہ قوموں کی خبروں کے ساتھ ساتھ کائنات کے رازوں سے متعلق ازلی سچائیاں بیان کی گئی ہیں اور انسانی زندگی کے اہم امور سے متعلق بھی مکمل رہنمائی کی گئی ہے۔چنانچہ وحی کو آپؐ کا کلام دینے کے لئے یہ لازم آتا ہے کہ پہلے آپؐ کو خواندہ ثابت کیا جائے۔اس حوالے سے کبھی تو محض ذاتی آراء اور اندازے پیش کر کے اور کبھی سابقہ الہامی کتب اور قرآن کے درمیان مماثلت کو بنیاد بنا کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ حضرت محمد ﷺ امی نہیں تھے۔مثلاً برنارڈ لیوس(1916-2018)لکھتے ہیں:

مسلمانوں کی روایت کے مطابق وہ ناخواندہ تھے۔ ہو سکتا ہے کہ ایسا ہو اور ہو سکتا ہے کہ ایسا نہ ہو، مگر بائبل کی وہ کہانیاں جو انہوں نے اپنے انداز میں بیان کیں، ان سے یہ لگتا ہے کہ انہوں نے بائبل کا علم بالواسطہ طور پر حاصل کیا، غالباً ان یہودی اور عیسائی تاجروں اور مسافروں سے جن کی معلومات یہودیوں کی قدیم شرح تورات اور جعلی اناجیل سے متاثر تھیں۔[40]

محض اس بنا پر کہ سابقہ الہامی کتب اور قرآن میں بعض مشترکہ قصص کا بیان ہے، یہ نہیں کہا جا سکتا کہ قرآن کلام الٰہی نہیں۔ بلکہ ان مشترکہ مضامین کا ہونا تو اس بات کا اہم ثبوت ہے کہ قرآن کا سرچشمہ بھی وہی ذات ہے جس نے اس سے پہلے انبیاء پر صحیفے نازل کیے۔ خود قرآن میں اس بات کا اعلان کیا گیا ہے کہ یہ کتاب اس سے پچھلی کتابوں کی مصدّق و مھیمن ہے:

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقاً لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِمِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِناً عَلَيْه [41]

قرآن اور سابقہ الہامی کتب میں مشترکہ نکات کو بنیاد بنانے کے علاوہ، بعض مصنفین آپ ﷺ کو خواندہ ثابت کرنے کے لئے لفظ ''امی'' کی لغت سے ہٹ کر تاویل بھی کرتے ہیں، مثلاً ایک مصنف نے اس کی تاویل کچھ یوں کی:

مشہور الفاظ ''النبی الامی'' سے مراد ''کتاب سے محروم امت کی طرف نبی'' بھی ہو سکتا ہے، یعنی ان لوگوں کے پیغمبر جو ابھی تک پڑھنا لکھنا نہیں جانتے۔ یقیناً محمد کے مشن کا اہم جزو تو یہ عقیدہ تھا کہ ان کے ساتھی عربوں کی بھی ایک الہامی کتاب ہونی چاہئے، ایک عربی قرآن، وہ مقصد جو (اپنی تکمیل کے لئے) ایک عربی پیغمبر کا منتظر تھا، بالکل ویسے ہی جیسے موسیٰؑ، داودؑ اور عیسیٰؑ کو کتاب دی گئی۔ کیونکہ غیر یہودی اقوام کا حوالہ قرآن میں ''امی'' کے الفاظ سے دیا گیا ہے، اس لئے بعض اوقات اس لفظ سے مراد وہ لوگ لئے جاتے ہیں ''جنہیں کتاب نہیں دی گئی''، ناخواندہ افراد نہیں، اگرچہ یہ دلیل اس حقیقت سے کمزور پڑ جاتی ہے کہ یہودیوں کا ذکر بھی کبھی کبھی امی کے لفظ سے کیا گیا ہے۔ ان کے لئے یہ لفظ صرف ''ناخواندہ'' کے مفہوم میں ہی استعمال ہو سکتا ہے۔ جب قرآن اعلانیہ طور پر یہ کہتا ہے کہ نبی ﷺ نے قرآن خود نہیں لکھا جیسا کہ قدامت پسند مسلمان اصرار

> کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ نہیں لکھا تو اس سے مراد یہ ہے کہ در حقیقت انہوں نے کوئی ایک لفظ بھی قلم سے نہیں لکھا۔[42]

مصنف کی پہلی توجیہ کہ "النبی الامی" سے امی قوم کا نبی بھی ہو سکتا ہے، اس لئے درست نہیں کیونکہ "النبی الامی" مرکب توصیفی ہے، مرکب اضافی نہیں۔ امی قوم کا نبی تب مراد لیا جاتا جب ترکیب "نبی الامیین" ہوتی۔ مزید یہ کہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر قرآن کے کلام الٰہی ہونے کا ذکر کیا گیا ہے اور اس بات کا واضح طور پر رد کیا گیا ہے کہ قرآن حضرت محمد ﷺ کا کلام نہیں ہے۔[43] ایسے قرآنی ارشادات کی تاویل مصنف نے یہ کہہ کر کی ہے کہ محمدؐ نے یہ قرآن قلم سے خود نہیں لکھا، یعنی قرآن ہے تو انہی کے ذہن کی تخلیق مگر اسے قلمبند انہوں نے نہیں کیا۔ حالانکہ یہ ایک معروف بات ہے کہ جب کسی کتاب کے بارے میں یہ کہا جائے کہ اسے فلاں شخص نے نہیں لکھا تو اس سے مراد یہ نہیں ہوتا کہ وہ مخصوص شخص اس کا کاتب نہیں بلکہ مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ شخص اس کتاب کا مصنف نہیں۔ "امی نبی" کی ایک اور توجیہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں یوں بیان کی گئی ہے:

> سورۃ الاعراف (7:157)، میں جہاں یہ لفظ "امی" آپؐ کے لئے استعمال کیا گیا ہے، وہاں اس کا مفہوم اس شخص کا ہو سکتا ہے جسے پہلے کوئی کتاب نہیں دی گئی اور جو اہل کتاب کے متضاد ہے، یعنی وہ لوگ جن کے پاس پہلے ہی اپنی زبانوں میں الہامی کتاب موجود ہے۔ محمد صرف اس دور تک امی نبی تھے جب تک انہوں نے اپنی امت کے لئے کلام مقدس لکھنے کا آغاز نہیں کیا تھا۔ اس وضاحت سے اس سوال پر کوئی اثر نہیں پڑتا کہ محمد پڑھنے لکھنے کے قابل تھے یا نہیں، سوائے اس کے کہ اس اصطلاح میں یہ ضمنی اشارہ بھی موجود ہو سکتا ہے کہ وہ یہود ونصاریٰ کی الہامی کتب پڑھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ بطور تاجر وہ عربی زبان کو لکھنے اور پڑھنے کی کچھ اہلیت ضرور رکھتے ہوں گے۔[44]

یہاں امی کی تاویل اس اعتبار سے کی جا رہی ہے کہ جب تک آپؐ نے کلام مقدس نہیں لکھا، آپؐ امی تھے، تاہم کلام مقدس لکھنے کے بعد آپؐ امی نہیں رہے۔ یعنی امی ہونا صرف کلام مقدس سے بے بہرہ ہونے کے لئے خاص ہے۔ گویا لفظ امی کے عموم کو خاص کیا جا رہا ہے۔ لسان العرب میں لفظ "امی" کی وضاحت یوں کی گئی ہے کہ اس سے مراد ہے وہ شخص جو لکھنا نہ جانتا ہو۔ "امی" اصل میں "امّ" سے ہے۔ ایسے شخص کو اُمی اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ ابھی تک اس حالت پر ہے جس پہ اس

کی ماں نے اس کو جنم دیا۔ لکھنا چونکہ سیکھنے سے آتا ہے اور پیدائشی طور پر کوئی انسان لکھنا نہیں جانتا اس لئے جو شخص لکھ نہ سکے اسے "امی" کہنے یہ مقصود ہوتا ہے کہ وہ ابھی تک اپنی پیدائشی حالت پر قائم ہے اور اس نے کسب علم نہیں کیا۔[45]

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں پیش کردہ یہ مفروضہ کہ تاجر ہونے کے باعث یہ ممکن نہیں کہ آپؐ پڑھنا لکھنا نہ جانتے ہوں، اس لئے کوئی ٹھوس دلیل نہیں کہلا سکتا کہ اس زمانے میں مکہ کا اہم پیشہ تجارت ہونے کے باوجود پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد اس قدر کم تھی کہ انہیں انگلیوں پر گنا جا سکتا تھا۔ بلاذری نے فتوح البلدان میں لکھا ہے کہ طلوع اسلام کے وقت قریش میں صرف 17 لوگ ایسے تھے جو پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔[46] سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر تجارت کرنے کے لئے پڑھا لکھا ہونا اتنا ضروری تھا تو مکہ کے تجارت سے وابستہ دیگر تمام افراد پڑھے لکھے کیوں نہیں تھے؟ کیونکہ ایسی صورت میں تو ان سب کو بھی خواندہ ہونا چاہئے تھا اور ایسی صورت میں ممکن نہیں تھا کہ مکہ کے پڑھے لکھے افراد کی تعداد صرف 17 تک محدود رہتی۔

منٹگمری واٹ رسول اللہ ﷺ کی امیت کی مخالفت میں ایک بالواسطہ دلیل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سورۃ علق کی (پہلی) وحی سے متعلق کافی روایات ہیں۔ "ما أقرأُ" کے الفاظ جن سے محمد ﷺ نے فرشتے کو جواب دیا کا مفہوم ہے "میں پڑھ نہیں سکتا"۔ اس کی مزید وضاحت ایک اور روایت میں آنے والے الفاظ " ماأنا بقارئ "(میں پڑھنے والا نہیں ہوں) سے کی جاتی ہے۔ ابن ہشام نے "ماأقرأ" اور "ماذا أقرأ" (میں کیا پڑھوں؟) کے درمیان فرق واضح کیا ہے۔ ماذا أقرأ کا مفہوم صرف یہی ہو سکتا ہے کہ "میں کیا پڑھوں" جبکہ ماأقرأ کا مفہوم سوالیہ بھی ہو سکتا ہے اور نفی میں بھی ہو سکتا ہے۔ یہاں سوالیہ مفہوم ہی ان الفاظ کا قریب ترین فطری مفہوم ہو سکتا ہے۔ یہ بات تقریباً یقینی ہے کہ بعد کے راویوں نے اس نسبتاً زیادہ فطری مفہوم کو اس لئے نظر انداز کیا تاکہ یہ ثابت کیا جا سکے کہ محمد پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے اور اس طرح قرآن کا معجزاتی پہلو بھی ثابت کیا جا سکے۔[47]

نزول وحی کے آغاز کی جو تفصیل کتب احادیث و سیرت میں ملتی ہے اس کے مطابق حضرت جبریلؑ جب آپؐ کے پاس آئے اس وقت آپ غار حرا میں عبادت میں مشغول تھے۔ وہ آپؐ سے کہنے لگے: "پڑھیے۔" آپؐ نے کہا: "میں پڑھنے والا نہیں ہوں"۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "اس فرشتے نے مجھ پکڑ کر زور سے دبایا جس سے مجھے بڑی تکلیف ہوئی، پھر اس نے مجھ چھوڑ دیا اور دوبارہ کہا: "پڑھیے"۔ میں نے کہا: "میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔" اس نے دوبارہ مجھے پکڑ

کر زور سے دبایا حتی کہ مجھے شدید تھکاوٹ پہنچی، پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا: "پڑھیے"۔ میں نے کہا: "میں پڑھنے الا نہیں ہوں"۔ اس نے مجھے تیسری دفعہ پکڑ کر زور سے دبایا حتی کہ مجھے شدید تھکاوٹ پہنچی، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا: [48]

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ۔ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۔اقْرَأْ وَرَبُّکَ الْأَکْرَمُ ۔ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ۔ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۔[49]

نزول وحی کی اس روایت سے "ماأقرأ" کا جو مفہوم سامنے آتا ہے وہ سوالیہ نہیں بلکہ منفی ہے۔ عقلی طور پر بھی اگر دیکھا جائے تو ما سوالیہ اس لئے مراد نہیں ہو سکتا کہ اس صورت میں جبریل کو آپؐ کو بار بار بھینچنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اگر آپؐ نے پوچھا ہوتا کہ کیا پڑھوں تو وہ فوراً وحی کے الفاظ دہرا دیتے۔ لیکن آپؐ نے پڑھنے سے انکار کیا یا پڑھنے کی صلاحیت کی نفی فرمائی جس کے باعث جبریل نے آپؐ کو تین مرتبہ دبایا۔

نزول وحی کی اس روایت سے آپؐ کے امی ہونے یا نہ ہونے کی دلیل لانا اس لئے بھی درست نہیں کہ اس سے کہیں یہ معلوم نہیں ہو رہا کہ آپؐ کے سامنے کوئی تحریر پیش کی گئی جسے آپؐ کو پڑھنا تھا، بلکہ آپؐ نے صرف جبریل کے کہے ہوئے الفاظ دہرائے۔ درحقیقت آپؐ کے امی ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آپؐ کے مخالفین نے آپؐ پر ہر طرح کے الزامات لگائے، مثلاً قرآن کو شاعری کہا، آپؐ کو مجنوں کہا، یہ بھی کہا کہ دو عجمی غلام آپؐ کو یہ لکھ کر دیتے ہیں مگر یہ الزام کسی نے نہیں لگایا کہ محمد ﷺ چونکہ سابقہ الہامی کتب کا علم رکھتے ہیں اور پڑھنے لکھنے کی صلاحیت کے سبب انہوں نے اور بھی ایسی کتابوں کا مطالعہ کیا ہوگا، لہذا اپنے اسی علم کو بروئے کار لاتے ہوئے انہوں نے یہ کلام مرتب کر لیا ہے۔ آپؐ کے بدترین مخالفین کی طرف سے بھی اس طرح کا الزام سامنے نہ آنا یہ ثابت کرتا ہے کہ آپؐ کا امی ہونا آپؐ کے دشمنوں کے لئے بھی قابل شک بات نہیں تھی۔ آپؐ ان کے درمیان پلے بڑھے، نوجوانی اور پھر ادھیڑ عمر تک پہنچے، وہ اچھی طرح واقف تھے کہ محمد ﷺ پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے۔

وحی کے نزول پر آپؐ کا ابتدائی طور پر خوفزدہ یا پریشان ہونا بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ آپؐ ایسے کسی معاملہ کی توقع نہیں کر رہے تھے۔ آپؐ کو اس بات کا کوئی اندازہ نہیں تھا کہ آپؐ کو نبوت عطا کی جانے والی ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ وحی سے آپؐ کے کسی اندرونی خیال یا منصوبے کی تکمیل نہیں ہوئی بلکہ یہ تو ایک ایسی چیز تھی جو اچانک آپؐ کو عطا کر دی گئی۔ آپؐ کے دل میں رسالت کا کوئی خیال تک نہیں گزرا تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو آپؐ جبریل کے آنے پر اتنی پریشانی کا

اظہار نہ کرتے۔ یہ حالت اس شخص کی نہیں ہو سکتی جو پہلے سے نبوت ورسالت کے بارے میں سوچ رہا ہو یا تدریجی کشف کے ذریعے وہ اپنے بارے میں ایسا گمان کرنے لگے۔ اگر وحی کوئی داخلی چیز ہوتی تو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کو یہ یقین نہ دلایا جاتا:

فَإِن كُنتَ فِيْ شَكٍّ مِمَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ فَاسْأَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَؤُونَ الْكِتَابَ مِن قَبْلِكَ لَقَدْ جَاءكَ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلاَ تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ [50]

رسول اللہ ﷺ کا حضرت جبریل کو جاگتے میں اپنی آنکھوں سے دیکھنا بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ وحی آپؐ کے لاشعور کی کوئی آواز یا نفسیاتی خفقان نہیں تھی، نہ ہی اس کا تعلق محض واردات قلبی سے تھا۔ بلکہ وحی ایک خارجی حقیقت تھی جو فرشتے کے ذریعے آپؐ تک پہنچائی گئی۔ حضرت جبریلؑ کا آپؐ کو تین مرتبہ دبانا، اور پھر چھوڑ کر ''اقرأ'' کہنا خارجی حقیقت کو قبول کرنے کی مزید تاکید تھا اور اس سے اس خیال کی ہر ممکن نفی ہوتی ہے کہ وحی داخلی خیالات کا عکس یا لاشعور کی آواز تھی۔

فترۃ الوحی کی تاویل

پہلی وحی کے بعد حضرت جبریلؑ کچھ عرصہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آنے سے رکے رہے۔ فترۃ الوحی کی مدت کتنی تھی؟ اس بارے میں اختلاف ہے۔ تاہم راجح مؤقف وہ ہے جسے امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ یہ مدت چھ ماہ تھی۔[51] بعض سیرت نگاروں نے حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت کو زیادہ درست قرار دیا ہے جس میں یہ مدت چالیس دن بتلائی گئی ہے۔[52]

> انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں فترۃ الوحی کی ایک عجیب وغریب تاویل پیش کی گئی ہے۔ ان کے مطابق:
> ہو سکتا ہے کہ تین سال کے فترۃ الوحی کا تصور محمد کے سوانح نگاروں کی ان کوششوں کے نتیجے میں پیدا ہوا ہو جو انہوں نے آپؐ کی مکی اور مدنی زندگی کی پیغمبرانہ سرگرمیوں کی تفصیلات اور بعض اہم واقعات پر آپ کی عمر کے بارے میں موجود متضاد بیانات کے ذریعے آپؐ کی زندگی کی تاریخ وار مکمل وقائع نگاری کرنے کے لئے کیں۔ اس امکان کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ بالکل ابتداء میں نازل ہونے والی وحی محمدؐ کے پیروکاروں نے لکھی نہ یاد کی، لہذا وہ ضائع ہو گئی۔[53]

فترۃالوحی کی اس توجیہ کی رو سے محدثین اور سیرت نگاروں نے پہلی وحی کے کچھ عرصہ بعد کے واقعات محفوظ نہ ہونے کی وجہ سے فترۃالوحی کا معاملہ گھڑا۔ غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ فترۃالوحی کے بارے میں محدثین اور سیرت نگاروں کا بیان اس بات کا اہم ثبوت ہے کہ وحی کے بارے معلومات درج کرنے میں انہوں نے سچائی اور دیانتداری کو ہمیشہ ملحوظ رکھا ہے اور اس طرح کی کوئی بات درج کرنے میں ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کیا جس کو مخالفین غلط معنی میں استعمال کر سکیں۔ اگر انہوں نے واقعاتِ سیرت میں کمی یا اضافہ کرنا ہوتا تو اس کے لئے انہیں وحی میں وقفہ قرار دینے کی ضرورت ہر گز نہ تھی بلکہ ایسی صورت میں تو انہیں ایسے واقعات تخلیق کرنے چاہئیں تھے جن سے جبریلؑ کا آپؐ کے پاس تواتر سے آنا ثابت ہو رہا ہو۔

ایک طرف تو مستشرقین میں سے بعض فترۃالوحی کی تاریخیت کو مشکوک قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف بعض نے اس رنج و اضمحلال کی مختلف تعبیرات کی ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے کچھ عرصہ وحی رک جانے سے محسوس کیا۔ روایات میں ہے کہ وحی کے رک جانے سے آپؐ بہت پریشان ہوئے اور آپؐ نے کئی مرتبہ ارداہ کیا کہ کسی پہاڑ کی چوٹی سے کود جائیں۔[54] مشہور مصنفہ کیرن آرم سٹرانگ نے اس حوالے سے طبری کی ضعیف روایت سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے:

> جب محمد کی طبعیت سنبھلی (وحی کے نزول کے بعد) تو یہ سوچ کر کہ اپنی اس تمام روحانی مشقت کے بعد ان کے پاس محض ایک جن آیا تھا، ان کا جی نہ چاہا کہ وہ مزید زندہ رہیں۔ مایوسی میں وہ غار سے نکلے اور پہاڑ کی چوٹی پر چڑھنے لگے تاکہ وہاں سے خود کو موت کی طرف دھکیل دیں۔[55]

صحیح بخاری کی روایت[56] کے مطابق آپؐ نے پہاڑ سے کودنے کا ارادہ تب کیا تھا جب وحی کچھ مدت کے لئے رک گئی تھی، نہ کہ پہلی وحی کے بعد خوفزدہ ہو کر۔ درحقیقت مستشرقین نے اس حزن واضطراب کی ایک نئی تعبیر کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے خیال میں اس پریشانی واضطراب کا سبب یہ تھا کہ محمد ﷺ کو اپنی نبوت کے بارے میں شک تھا۔ اس لئے وہ خودکشی کا ارادہ کر بیٹھے تھے۔ حالانکہ یہ حزن وبے چینی نبوت کے بارے میں شک کی بنا پر نہیں بلکہ وحی کا سلسلہ رک جانے کی بنا پر تھی۔ کیونکہ محبوب ترین چیز ایک مرتبہ حاصل ہو جانے کے بعد دفعتاً ملنا بند ہو جائے تو نفس کا حزن وملال کا شکار ہونا لازمی امر ہے۔ جہاں تک اس شرعی مسئلہ کا تعلق ہے کہ خودکشی حرام ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً اس وقت شرعی احکام

نازل نہیں ہوئے تھے۔ثانیاً یہ کہ وہ محض ارادہ تھا جو کہ حرام نہیں ہے۔جبریل کے فرمان کہ "اے محمد ﷺ ! آپؐ اللہ کے رسول برحق ہیں"کا مطلب یہ تھا کہ آپؐ غمگیں نہ ہوں، وحی کا یہ تعطل عارضی ہے اور کسی حکمت کی بناپر کچھ وقت کیلئے یہ سلسلہ بند کر دیا گیا ہے، عنقریب پھر آپؐ پر وحی نازل ہونے والی ہے کیونکہ آپؐ واقعی اللہ کے رسول ہیں اور رسالت کی تکمیل ہو کر رہے گی۔اس بات سے حزن وملال کی تخفیف ہو جاتی۔ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

> اللہ تعالیٰ جب کسی شخص کو اپنی نبوت کیلئے چن لیتا ہے تو اسکے دل کو شکوک وشبہات اور وساوس سے پاک کر کے یقین واذعان سے بھر دیتا ہے۔اس میں اس کی آنکھیں جو کچھ دیکھتی ہیں اور اس کے کان جو کچھ سنتے ہیں اس کی صحت کے متعلق کوئی ادنیٰ سا تردد بھی اس کے ذہن میں پیدا نہیں ہوتا۔وہ پورے شرح صدر کے ساتھ ہر اس حقیقت کو قبول کر لیتا ہے جو اس کے رب کی طرف سے اس پر منکشف کی جاتی ہے۔خواہ وہ کسی مشاہدہ کی شکل میں ہو جو اسے آنکھوں سے دکھایا جائے، یا الہامی علم کی شکل میں ہو جو اس کے دل میں ڈالا جائے، یا پیغام وحی کی شکل میں ہو جو اس کو لفظ بہ لفظ سنایا جائے۔ان تمام صورتوں میں پیغمبر کو اس امر کا پورا شعور ہوتا ہے کہ وہ ہر قسم کی شیطانی مداخلت سے قطعی محفوظ ومامون ہے اور جو کچھ بھی اس تک کسی شکل میں پہنچ رہا ہے وہ ٹھیک ٹھیک اس کے رب کی طرف سے ہے۔تمام خداداد احساسات کی طرح پیغمبر کا یہ شعور واحساس بھی ایک ایسی قیمتی چیز ہے جس میں غلط فہمی کا کوئی امکان نہیں۔جس طرح مچھلی کو اپنے تیراک ہونے کا، پرندے کو اپنے پرندہ ہونے کا اور انسان کو اپنے انسان ہونے کا احساس بالکل خداداد ہوتا ہے اور اس میں غلط فہمی کا کوئی شائبہ نہیں ہو سکتا، اسی طرح پیغمبر کو اپنے پیغمبر ہونے کا احساس بھی خداداد ہوتا ہے۔اس کے دل میں کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی وسوسہ نہیں آتا کہ شاید اسے پیغمبر ہونے کی غلط فہمی لاحق ہو گئی ہے۔[57]

جہاں تک صحیح بخاری کی اس روایت[58] کی صحت کا تعلق ہے تو علامہ البانی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ امام زہری سے اوپر یہ بلا سند ہے۔[59] ایک ضعیف روایت کو استدلال کی بنیاد بنانا اور اس کی بنا پر نت نئے مفروضے پیش کرنا استشراقی منہج کا خاصہ ہے۔

کیا وحی کا نزول خواب کی حالت میں ہوا؟

پہلی وحی کے نزول پر نبی اکرم ﷺ کی کیفیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت حضورؐ کے پاس وحی لے کر فرشتہ اپنی اصلی یا تمثیلی شکل میں آیا۔اس وجہ سے آپؐ پر گھبراہٹ طاری ہوئی۔اگر یہ وحی خواب میں نازل ہوئی ہوتی تو ایسی صورت میں آپؐ پر گھبراہٹ کی یہ کیفیت طاری نہیں ہوسکتی تھی۔کیونکہ خواب میں انسان کتنا ہی خوفناک یا عجیب منظر کیوں نہ دیکھے،اس کی دہشت محض چند ثانئے تک قائم رہتی ہے۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کی کسی بھی سورۃ یا آیات کا تعلق خواب سے ہے کہ نہیں؟جملہ تصریحات سے یہی پتہ چلتا ہے کہ قرآن کا تعلق خواب سے نہیں ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت انس کے حوالے سے ایک روایت نقل کی گئی ہے اس میں کہا گیا ہے کہ ایک سورۃ حضورؐ پر نیند کی حالت میں نازل ہوئی۔حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

> بیْنا رسول الله ذات یومٍ بین أظهرنا، اذأ غفیٰ اغفاءة، ثمرفعرأسهم تبس ماً،فقلنا: ماأضحک یارسولَ الله؟ قال: "أُنزِلتْ علیّ آنفاً سورة، فقرأبسم الله الرّحمن الرّحیم انّاأعطینک الکوثر.
>
> ایک روز نبیؐ مسجد میں ہمارے درمیان تھے،اچانک آپؐ پر ایک قسم کی نیند یا بے ہوشی کی کیفیت طاری ہوئی، پھر ہنستے ہوئے آپؐ نے سر مبارک اٹھایا،ہم نے پوچھا! یارسول اللہ! آپ کے ہنسنے کا سبب کیا ہے؟تو آپؐ نے فرمایا کہ مجھ پر اسی وقت ایک سورۃ نازل ہوئی ہے،پھر آپؐ نے بسم اللہ کے ساتھ سورۃ کوثر کی تلاوت فرمائی۔[60]

اس حدیث میں "أغفی" کا لفظ آیا ہے جس سے اچانک نیند یا بیہوشی جیسی کیفیت مراد ہے جو کہ ظاہر ہے کہ ایک غیر معمولی کیفیت ہے اور جس کو نیند قرار نہیں دیا جاسکتا۔بلکہ یہ کیفیت وحی کی شدت کی وجہ سے آپؐ پر طاری ہوا کرتی تھی،یہ کیفیت بھی اس لئے طاری ہوتی تھی تاکہ آپؐ دنیا سے غافل ہو جائیں اور روحانیت آپؐ کی بشریت پر غالب آجائے۔امام سیوطی نے امام رافعی کے حوالے سے الاتقان میں تحریر کیا ہے کہ اس حدیث سے بعض لوگوں نے یہ غلط نتیجہ نکالا کہ وحی کا نزول خواب کی کیفیت میں ہو گیا تھا اور اسی بنا پر انہوں نے کہا کہ ایک قسم کی وحی رسول اللہ ﷺ پر حالت خواب میں بھی آتی تھی،کیونکہ انبیاء کا خواب دیکھنا بھی وحی ہے اور گو یہ بات صحیح ہے۔مگر یہ کہنا مناسب ہوگا کہ تمام قرآن کا نزول

حالت بیداری میں ہی ہوا ہے اور گویا اس وقت آنکھ جھپکنے میں رسول اللہ ﷺ کے دل میں سورۃ الکوثر کا خیال آ گیا، جس کا نزول حالت بیداری میں ہو گیا تھا یا اس حالت میں کوثر آپ ؐ کی نگاہوں کے سامنے لایا گیا۔ بعض روایات میں یہ بات آتی ہے کہ آپ پر اس وقت غشی کی کیفیت طاری ہو گئی تھی اور ممکن ہے کہ اس بات کو اس حالت پر محمول کیا جائے جو رسول پاک ؐ پر وحی کے وقت طاری ہو جایا کرتی تھی۔[61]

جو کچھ آپ ؐ کے سپرد کیا جانے والا تھا وہ کوئی ایسا معمولی کام نہ تھا کہ اچانک اس بار گراں کو برداشت کر لیا جائے۔ ضروری تھا کہ کسی نہ کسی صورت میں اس کے لئے آپ ؐ کو آمادہ کیا جائے اور اس کا مشاہدہ کرایا جائے۔ چنانچہ خواب یعنی رویائے صادقہ کے ذریعہ اس بار گراں کو اٹھانے کے لئے آپ ؐ کو آمادہ کیا گیا۔ جب آپ ؐ اس سے پوری طرح آشنا ہو گئے تو پھر حالت بیداری میں آپ ؐ پر وحی (بہ شکل قرآن) کی گئی اور آپ ؐ کو نبوت کے منصب اعظم پر نہ صرف فائز کیا گیا، بلکہ کار نبوت کو بھی آپ ؐ کے سامنے واضح اور آشکارا کیا گیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر عالم بیداری میں جو کچھ بہ صورت قرآن نازل ہونے والا تھا اور جس چیز کو جبریل امین لانے والے تھے، رویائے صادقہ کی وحی اس کے لئے تمہید کی حیثیت رکھتی تھی، تا کہ آپ ؐ خود کو خوارق عادت وحی کے شدائد کے تحمل کا عادی بنا سکیں۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ باقاعدہ وحی کا آغاز ہوا تو ابتداء میں رسول اللہ ﷺ جسمانی اور ذہنی طور پر اس سے بہت متاثر ہوئے۔[62]

خلاصہ بحث

وحی کی جداگانہ کیفیات کے باوجود یہ امر تمام انبیاء میں مشترک رہا ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کی جاتی رہی ہے۔ اس اعتبار سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ وحی کے معاملہ میں رسول اللہ ﷺ کی ذات کو تنقید کا نشانہ بنانے اور وحی کی مادی تعبیرات کی کوشش کرنے کا مقصد محض رسول اللہ کی شخصیت کے بارے میں ابہام پیدا کرنا ہے۔ کیونکہ اگر یہ کہا جائے کہ خود وحی ایک مشکوک امر ہے تو پھر اس معاملہ میں تمام انبیاء کی شخصیت کو ایک نئے سرے سے پرکھنا ہو گا۔ دوسری صورت میں اگر یہ کہا جائے کہ صرف حضرت محمد ﷺ ہی کا دعویٰ وحی مشکوک ہے تو یہ براہ راست آپ ؐ کو کاذب قرار دینے کے برابر ہے۔ حضرت محمد ﷺ اس لحاظ سے کوئی نرالے رسول نہ تھے۔ اسی طرح آپ ؐ کی دعوت بھی باقی انبیاء سے کوئی الگ تھلگ چیز نہ تھی۔ کیونکہ حضرت نوح ؑ سے لے کر خدا کے چیدہ و برگزیدہ بندے لوگوں کو خدا کا پیغام سناتے چلے

آئے تھے۔ان کی اپنی خواہشات کو اس میں کوئی دخل نہ تھا۔جو وحی ان پر نازل ہوئی اور اس کے ذریعے اللہ نے ان کو اپنی تائید وحمایت سے نوازا وہ آپ ؐ پر نازل کردہ وحی سے کسی طرح بھی مختلف نہیں تھی۔سب انبیاء پر نازل شدہ وحی ہر لحاظ سے بالکل ہم رنگ وہم آہنگ ہے۔کیونکہ وحی کا مصدر وماخذ بھی ایک ہے اور اس کی غرض وغایت بھی متحد۔

سر جان گلب(Sir John Glubb)وحی محمدی ﷺ کی سچائی کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> …it is difficult to deny that the call of Muhammad seems to bear a striking resemblance to innumerable other accounts of similar visions, both in the Old and New Testaments, and in the experience of Christian saints, possibly also of Hindu and devotees of other religions. Such visions, moreover, have often marked the beginning of lives of great sanctity and of heroic virtues...To attribute such phenomenon to self-delusion scarcely seems an adequate explanation.[63]

> ....اس بات کی تردید کرنا مشکل ہے کہ محمد کی بعثت عہد نامہ قدیم وجدید میں اس سے ملتے جلتے کئی الہامات کے بیان،عیسائی صوفیوں اور ممکنہ طور پر ہندو اور دیگر مذاہب کے بھگتوں سے گہری مشابہت رکھتی محسوس ہوتی ہے۔ایسے مکاشفات اکثر عظیم حرمت و وقار اور بطلانہ اخلاقیات کی حامل زندگیوں کے آغاز کی علامت ہوتے ہیں۔ایسے مظہر کو فریب نفس سے تعبیر کرنا اس کی مناسب وضاحت محسوس نہیں ہوتی۔

یہ بات عقلی طور پر بھی ناقابل قبول ہے کہ ایک ہی کل کے بعض اجزاء کا اقرار کیا جائے اور بعض کا انکار، کل کا یا تو بحیثیت مجموعی اثبات کیا جائے گا یا پھر بحیثیت مجموعی اس کی نفی کی جائے گی۔وحی کے معاملہ میں صرف پیغمبرِ اسلام ﷺ کی ذات کو نشانہ بنانا بھی ایسا ہی ہے۔اگر وحی ایک ایسا معاملہ ہے جو عقلی اور نفسیاتی توجیہات پر منحصر ہے اور جس کو بطور ایک روحانی تجربے کے قبول نہیں کیا جا سکتا تو ایسی صورت میں خود مظہرِ نبوت اور ہر نبی کی ذات مشکوک ٹھہرے گی۔دوسری صورت میں اگر یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ وحی ایک روحانی مظہر ہے، جس کی منفرد حیثیت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا تو ایسی صورت میں یہ لازم آتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ پر نازل ہونے والی وحی کی مادی وعقلی تعبیر کی بجائے اسے ایک روحانی سچائی کے طور پر تسلیم کیا جائے اور اگر وجہِ اعتراض وحی نہیں بلکہ آپ ؐ کا دعویٰ نبوت ہے(جس کو جھوٹ سمجھ کر ہی وحی کی مادی تاویلات

پیش کی جارہی ہیں) تو آپ ؐ سے کذب وفتراء منسوب کرنے کے لئے ٹھوس تاریخی ثبوت فراہم کیے جائیں، محض ذاتی آراءاور تخمینے تاریخی حقائق کے مقابلے میں قابل قبول نہیں ٹھہرائے جاسکتے۔

حوالہ جات وحواشی

[1] لسان العرب، مؤسسة الأعلمی للمطبوعات، بیروت، لبنان، الطبعة الأولی، 2005م 15/379-381

[2] القصص، 28:7

[3] المائدة، 5:111

[4] الانعام، 6:121

[5] النحل، 16:68

[6] حم السجدة، 41:12

[7] الزلزال، 99:4-5

[8] النسآء، 4:163

[9] النحل، 16:43

[10] W. Montgomery Watt, Muhammad at Mecca, Oxford University Press, Oxford, 2006, p. 44

[11] ابن هشام، ابو محمد عبد الملک، السیرة النبویة، مکتبة مصطفی البابی، مصر، 1955م، السیرة النبویة، 1/235

[12] النجم، 53:7-14

[13] Muhammad at Mecca, p. 42-43

[14] الجامع الصحیح للبخاری، کتاب التعبیر، باب: أول مابدئ بهر سولا للهمنالوحیالرؤیاالصالحة، (6982)، ص: 583

[15] الطبری، محمد بن جریر بن یزید أبو جعفر، تاریخ الرسل والملوک، دار التراث، بیروت، 1387ھ، 2/301

[16] القیامة 75:17-19

[17] سرسید احمد خان، مقالات سرسید، (مرتب: مولانا محمد اسماعیل پانی پتی)، مجلس ترقی ادب، لاہور، 1963ء، ص: 69-70

[18] البقرة، 2:97

[19]Syed Ameer Ali, The Spirit of Islam, Peace Pubication, Lahore, 2014, p.16
[20]الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الایمان، باب: سؤال جبریل النبی ﷺ عنالایمانوالاسلام والاحسان، وعلم الساعۃ، (37)، ص:6
[21]Muhammad at Mecca, p.53
[22]Kenneth Cragg, The Call of the Minaret, Oxford University Press, London, 1956, p.77
[23]Ibid, p.79
[24] Thomas Carlyle, On Heroes and Hero Worship, Everyman's Library, London, 1965, p.289
[25]السیرۃالنبویۃ، 183/1
[26]یونس10:31
[27]السیرۃالنبویۃ، 182/1
[28] Karen Armstrong, Muhammad: Prophet for our Time, Harpers & Collins Publishers, London, 2006, p.45
[29]Alfred Guillaume, Islam, Cassell & Company LTD, 1963, London, pp. 25-26
[30]Rom Landau, Islam and the Arabs, GeorgeAllen & Unwin LTD, London, 1958, p.23
[31] Ignaz Goldziher, Muhammed and Islam, (Translator: Robert S. Hartman), Yale University Press, London, 1917, p.5
[32] H.A.R. Gibb, Mohammedanism, Oxford University Press, New York, 1964, pp. 43-44
[33]تاریخ الرسل والملوک، 319/2
[34] Rom Landau, Islam and the Arabs, George Allen & Unwin LTD, London, 1958, p.23
[35]القصص، 28:86
[36]الکھف، 18:23-24
[37] Tor Andrae, Mohammed: The Man and his Faith, (Translator: Theophil Menzel), Harpers & Brothers, New York, 1960, pp.51-52
[38] Ibid, p. 177
[39] Saul McLeod, Unconscious Mind, Retrieved September 15, 2016, from www.simplepsychology.org/unconscious-mind.html

[40]Bernard Lewis, The Arabs in History, Hutchinson House , London, 1950,p.39

[41]المائدۃ،48:5

[42]The Call of the Minaret, pp.74-75

[43]النساء4:82،113؛الحاقۃ،69:40-43؛الفرقان25:،5۔6؛الشوریٰ42:52

[44] The Encyclopaedia of Islam, Leiden, New York, 1993, 364/7

[45]لسان العرب،34/12

[46]البلاذری،احمد بن یحییٰ بن جابر بن داود، فتوح البلدان، دار ومکتبۃ ھلال، بیروت، لبنان،1988م، ص:453

[47]Muhammad At Mecca, p:46

[48]الجامع الصحیح للبخاری، کتاب التعبیر، باب: أول ما بدئ بہ رسول اللہ ﷺ من الوحی الرؤیا الصالحۃ،(6982)، ص:583

[49]العلق1:96۔5

[50]یونس،10:94

[51]البیھقی، احمد بن الحسین بن علی، السنن الکبریٰ، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد،1925م، الطبعۃ الاولیٰ،6/9

[52]الزرقانی، أبو عبداللہ محمد بن عبدالباقی، شرح المواھب اللدنیۃ، دار الطباعۃ الأمیریۃ، مصر،1891م،236/1

[53] The Encyclopaedia of Islam, 363/7

[54]الجامع الصحیح للبخاری، کتاب التعبیر، باب: أول ما بدئ بہ رسول اللہ ﷺ من الوحي الرؤیا الصالحۃ،(6982)، ص:583

[55]Muhammad:Prophet for our Time,p.46

[56]الجامع الصحیح للبخاری، کتاب التعبیر، باب: أول ما بدئ بہ رسول اللہ ﷺ من الوحي الرؤیا الصالحۃ،(6982)، ص:583

[57]مودودی، سید ابوالاعلیٰ، سیرت سرور عالم ﷺ، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور،2/452۔453

[58]الجامع الصحیح للبخاری، کتاب التعبیر، باب: أول ما بدئ بہ رسول اللہ ﷺ من الوحي الرؤیا الصالحۃ،(6982)، ص:583

[59]الباني ، محمد ناصر الدین ، دفاع عن الحدیث النبوی والسیرۃ والرد علی جھالات الدکتور البوطي في کتابہ فقہ السیرۃ، مؤسسۃ ومکتبۃ الخافقین، دمشق،1977م، ص:40

[60]الجامع الصحیح للمسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب حجۃ من قال البسملۃ آیۃ من اول کل سورۃ سوی سورۃ براءۃ،(894)، ص:741

[61]جلال الدین سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، مطبع الازھریۃ، مصر،1925ء،1/23۔24

62 عسقلانی، ابن حجر، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۳۷۹ھ، 23/1

63 John Bagot Glubb, The Life and Times of Muhammad, Stein & Day, New York, 1971, p.87